# انفرادی ملکیت اسلام میں

اسلام بحیثیت دین اور بحیثیت نظامِ حیات اپنے ہر پہلو میں انفرادی ملکیت کے اصول سے گہرے اثرات لئے ہوئے ہے۔ اس کا تصورِ ملکیت جیسا کچھ ہے اس کو جوں کا توں رکھ کر سوچئے تو اس کے تمام تفصیلی ضوابط کی ٹھیک ٹھیک توجیہ ہو سکتی ہے، لیکن اس کے تصورِ ملکیت کو مسخ کر دیجئے تو پھر اس کے تفصیلی ضوابط میں جگہ جگہ الجھاؤ اور تضاد واقع ہونے لگیں گے، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ آپ پورے دین اور نظام کو بھی مسخ کر ڈالیں۔ اسلام کے تصورِ ملکیت کے لحاظ سے بہت سے انسانی افعال جرائم شنیعہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان جرائم پر گرفت کرنے کے لئے اس کے فوجداری ضابطے میں ایک مستقل سلسلۂ قانون شامل ہے، وہ املاک کے استعمال، ان سے استفادہ اور ان کے تحفظ کے لئے کچھ حقوق از روئے قانون مقرر کرتا ہے اور سوسائٹی کو ان حقوق کی نگہداشت کا ذمہ دار بناتا ہے۔ پھر یہ اسلام کا مخصوص تصورِ ملکیت ہی ہے جس کے تحت بیع و شرا کا ضابطہ ایک خاص شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر اس تصورِ ملکیت سے قانونِ وراثت کی تشکیل ہوتی ہے اور یہی تصورِ ملکیت ہے جو زکوٰۃ و عشر اور اجتماعی مالیات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک سسٹم وجود میں لاتا ہے۔ اسی تصورِ ملکیت کے تحت فرد اور ریاست کے باہمی معاملات کی حد بندیاں ہوتی ہیں جو اسٹیٹ کو فرد پر ناجائز تصرف کرنے سے روکتی ہیں۔

چنانچہ اسلام کے قانونِ ملکیت کے تمام بنیادی اصولوں کی وضاحت کے لئے نصوصِ قطعیہ موجود ہیں، اور پھر ان اصولوں سے استنباط کردہ فقہی ضوابط اور قانونی نظائر کا ایک گراں بہا ذخیرہ موجود ہے۔ بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسلام کے اصولِ ملکیت یا قانونِ ملکیت کے بارے کوئی بنیادی غلط فہمی فروغ پا سکے۔ لیکن دورِ فتنہ کے مختلف کرشموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس اصولِ ملکیت پر نمایاں ذہنی انتشار برپا ہے۔

## قومی ملکیت کا نظریہ اور متجددین

یہ بات کہ اسلام سے وفاداری رکھتے ہوئے، اس کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے، خود اس کے اصولوں پر غور و فکر کرتے ہوئے اور خود اسی کے عطا کردہ اصولِ اجتہاد کے تحت نو بہ نو تمدنی تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیشہ اہلِ علم نے قانونیات کے استنباطی پہلوؤں میں تصرف کئے ہیں اور کئے جاتے رہیں گے، اور کئے جانے چاہئیں۔ لیکن یہ بالکل ایک الگ صورت حالات ہوتی ہے کہ آدمی اسلام سے باہر کسی دوسرے نظام کے اصولوں کو پسند کر کے آئے اور پھر مرعوبانہ ذہنیت کے ساتھ اس کھوج میں لگ جائے کہ اسلام میں تحریف کرنے کے لئے کہاں پاؤں جمانے کی جگہ ملتی ہے۔ پھر اسلام کے پورے سسٹم کی نوعیت سے آنکھیں ہٹا کر صرف ان جزئیات کو تلاش کیا جائے کہ جنہیں اگر سارے سسٹم سے الگ کر کے تاویل کے خراد پر چڑھایا جائے تو وہ باہر سے "درآمد کردہ" اصولوں پر منطبق ہو سکیں، اور پھر اعلان کر دیا جائے کہ یہ اصول تو ہمیشہ سے عین اسلامی تھے؛ محض ملاؤں نے سازش کر کے ان کو اسلامیات سے نکال باہر کر دیا۔

یہ صورتِ حالات آج اسلام کو سیاست میں بھی، معاشرت میں بھی اور معاشیات میں بھی درپیش ہے، سیاست میں اربابِ تجدد یہ ثابت کر رہے ہیں کہ امریکی جمہوریت کا نظام اسلامی ہے، معاشرت میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مغرب کی بے پردہ ——— بے پردہ ہی نہیں، بے حیا ——— معاشرت اسلام کی معاشرت ہے، اور اسی طرح معاشیات کے دائرے میں کچھ لوگ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ مارکس کا قومی ملکیت کا اصول تو اول اول اسلام ہی نے پیش کیا تھا اور صحابہ کی سوسائٹی عین اسی اصول پر استوار ہوئی تھی، اور تمام معاشی مفاسد کا حل اسی اصول میں ہے۔ اس دعوے کے لئے استدلال کی بنیاد ریں کبھی الارض للہ پر کھڑی کی جاتی ہیں، کبھی لیس للانسان الا ما سعی پر، کبھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نظریۂ کفاف کو سامنے لایا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس سارے استدلال میں کتنی مغالطہ انگیزیاں شامل ہیں، یہ طرز فکر بجائے خود مجرمانہ ہے کہ پورے سسٹم کو اور اس کے مزاج کو دیکھے بغیر اس کے اندر سے دو ایک اجزاء کو نکال لیا جائے۔

"قومی ملکیت" کا نظریہ اصولی حیثیت سے اسلام سے منافات رکھتا ہے۔ اس نظریے کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان سرمایہ و دولت اور معاشی ذرائع و وسائل کا مالک رہتے ہوئے "صالح" نہیں ہو سکتا، بلکہ ملکیت

اسے لازماً مضرو مفسد بنا کے چھوڑتی ہے، لہٰذا اگر اسے شر سے باز رکھنا ہو تو اس سے سلب ملکیت ضروری ہے۔
اسلام بخلاف اس کے انسانی فطرت سے مایوس نہیں ہے، بلکہ وہ یہ نظریہ رکھتا ہے کہ آدمی کا اصل فساد ملکیت کے سرچشمے سے نہیں بلکہ ذہنیت اور سیرت کے سرچشمے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر ذہن و سیرت کی صحت درست ہو جائے تو "ملکیت" انسانی ہاتھوں میں تمام تر آلۂ خیر بن سکتی ہے۔ پس اس کی اسکیم "سلب ملکیت" کے بجائے اصلاحِ فکر و تعمیر سیرت کے پروگرام پر مشتمل ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ ایک الگ راستہ ہے اور یہ ایک جداگانہ راہِ عمل ہے۔ یہ راستے پہلے قدم پر ہی باہم الگ ہو جاتے ہیں، اور جتنا جتنا آگے بڑھتے ہیں، اتنا ہی اتنا دور ہوتے جاتے ہیں۔ دونوں میں تطبیق کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن مرعوبیت اور تقلید زدہ ذہنیت وہ بدبلا ہے کہ وہ ہر قسم کی حماقت کر گزرتی ہے۔ چنانچہ اسلام میں مارکسزم کا پیوند لگانے کی کوشش آپ کے سامنے ہو رہی ہے۔

قومی ملکیت کے اصول کو ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے استدلال سامنے آرہے ہیں، لیکن ان میں سے دلچسپ ترین استدلال یہ ہے کہ سب کچھ تو خدا کی ملکیت ہے، لہٰذا انسانی افراد کا دعوائے ملکیت بے معنیٰ ہوا، اب جب افراد کا دعوائے ملکیت ساقط قرار پایا تو پھر باقی اسٹیٹ ہی رہ جاتا ہے کہ وہ مدعی بنے؛ اس کو مدعی بننے کا حق اس وجہ سے ہے کہ وہ نائبِ خدا ہے۔ یعنی خدا کی ملکیت کا سوال اٹھا کر اس سوال کے ذریعے فرد کو تو میدان سے ہٹا دیا اور اسٹیٹ کو خدا کے سے حقوق دے دیئے ——— حالانکہ فرد بھی نائب خدا تھا۔
اس سارے استدلال میں اصل مغالطہ الٰہی ملکیت اور انسانی ملکیت کی نوعیت میں امتیاز نہ کرنے کا ہے۔ نہ اُس ملکیت کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے، نہ اِس کا، اور اس طرح ایک دلچسپ منطق نمودار ہوتی ہے۔ ان مغالطہ انگیزیوں کی حقیقت واضح کرنے کے لئے ملکیت کی حقیقت و ماہیت کو پیش کیا جارہا ہے جیسی کہ وہ اسلام میں ہے۔

## الٰہی ملکیت اور انسانی ملکیت

از روئے اسلام تمام موجودات حتیٰ کہ خود انسان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ یہ بات صرف سرمائے زمین اور کاروباری وسائل ہی کے لئے خاص نہیں، بلکہ انسان کا جسم، اس کے قویٰ، اس کی قوتِ ارادی، اس کا علم، اس کے جذبات سب کچھ ملکِ الٰہی میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقِ ملکیت کے امتیازات یہ ہیں:-

(۱) مجرد تخلیق شے ہی سے اللہ تعالیٰ کی ملک اُس پر قائم ہو جاتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ملکیت تکوینی طور پر از خود قائم ہے اور وہ اسے کسی دوسری قوت سے تسلیم کرانے کا پابند نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی ملکیت کامل ہے اور وہ اپنی املاک میں جو جو تصرف چاہے کر سکتا ہے، اسے کوئی دوسرا روکنے والا نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی موجودات ملکیت "ملکیت برائے استفادہ" نہیں، بلکہ نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ خود ہی مالک ہے اور خود ہی اپنے حقوقِ ملکیت کے استعمال کا ضابطہ بناتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی ملکیت ناجائز ہے، نہ کسی ملکیت میں اس کا کوئی تصرف ناجائز ہو سکتا ہے۔

بخلاف اس کے از روئے اسلام انسانی ملکیت کی نوعیت مختلف ہے اس کے امتیازات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) انسانی ملکیت امانتی ہے کہ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے کچھ حدود وضوابط کے تحت انسانوں کو اپنی امانات تفویض کی ہیں۔ ان حدود وضوابط کے اندر جو ملکیتیں قائم ہوتی ہیں، وہ جائز قانونی ملکیتیں ہیں اور جو ان حدود سے باہر عملاً (DE-FACTO) قائم ہوجاتی ہیں وہ قانونِ الٰہی کی رو سے ناجائز ملکیتیں ہیں۔

(۲) انسانی ملکیت کے حق کا قائم ہونا اور قائم رہنا اس بات پر بھی منحصر ہے کہ انسانی معاشرہ اس حق کو تسلیم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے پر تیار رہو۔ اس لحاظ سے انسانی ملکیت کا معاملہ سیاسی واخلاقی نوعیت کا ہے تکوینی نوعیت کا نہیں۔

(۳) انسانی ملکیت بہت محدود ہے، کیونکہ آدمی اپنی املاک میں صرف اس حد تک تصرفات کر سکتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے تکوینی ضابطے اس کو موقع دیتے ہیں۔ ان ضابطوں کی دی ہوئی آزادی سے باہر انسان اپنی املاک کے بارے میں اتنا بے بس ہوتا ہے کہ جیسے وہ کوئی مالکانہ حقوق نہ رکھتے ہوئے ہوتا۔

(۴) انسان احتیاجات کے لئے ملکیت چاہتا ہے۔

(۵) انسانی ملکیت عارضی ہوتی ہے[۱]۔ موت اس کا تعلق املاک سے منقطع کر دیتی ہے، اور عام ضروریات و حوائج بھی اسے مجبور کرتے ہیں کہ اپنے املاک کا دوسروں سے تبادلہ کرتا رہے۔

---

[۱] جیسے کہ حق تعالیٰ نے انسانی املاک کو متاع الیٰ حین فرمایا۔

(۴) انسان اپنے حقوقِ ملکیت اور املاک کے استعمال کے لئے از روئے حق ضابطہ سازی کا مجاز نہیں ہے بلکہ اس مقصد کے لئے ضابطہ سازی کا منصب اصل مالک کا ہے۔ اس اصول کی وجہ سے عملاً دو قسم کے رویّے پیدا ہو جاتے ہیں: ایک رویّہ یہ کہ انسان الٰہی ضابطۂ ملکیت کو معلوم کرکے اُس پر چلے اور دوسرے یہ کہ اپنے لئے خود ضابطۂ ملکیت بنائے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے ضوابط میں سے کسی کی پیروی کرلے۔ پہلا رویّہ اسلام کی نگاہ میں واجب القبول اور دوسرا انتہائی قابلِ اجتناب ہے۔

## انسانی حق ملکیت کے بارے میں اصل سوال

انسانی ملکیت کے مسئلے میں جہاں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ انسانی ملکیت خدا تعالیٰ کے بالمقابل کیا نوعیت رکھتی ہے، وہاں اصل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کا حقِ ملکیت دوسرے افرادِ انسانی (اور اسٹیٹ) کے بالمقابل کس حیثیت کا حامل ہے؟ یہی وہ اصل سوال ہے جسے صاف کئے بغیر پُر پیچ بحثیں پیدا کی جارہی ہیں۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انسان کے مقام اور مرتبے کا تعلق ہے، وہ بالکل متعین ہے۔ آدمی خدا کا عبدِ مملوک اور اس کا نائب و پیش کار ہے اور خود اس کے دل و دماغ سے لے کر زمین و آسمان اور ضروریاتِ زندگی ہر چیز تک جو کچھ بھی موجودات ہیں سب کی سب اللہ کی ملک اور استفادہ کے لئے اس کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ پس اللہ کے سامنے تو انسان کی مالکانہ حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتی کہ ایک عبدِ صالح:

ہر وقت یہ احساس کرے کہ وہ اپنی املاک کا مالک نہیں، امین ہے۔

صرف ان املاک پر اکتفا کرے جو قانونِ الٰہی کی رو سے جائز ہوں، اور کسی ایسی چیز میں تصرف نہ کرے جس پر الٰہی ضابطے کی رو سے اس کا جائز حق قائم نہ ہوتا ہو[۵۱]

اپنی املاک کو صرف اُن مقاصد کے لئے اور صرف اُن طریقوں سے استعمال کرے جو قانونِ الٰہی کی رو سے جائز قرار پاتے ہوں[۵۲]۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی املاک میں دوسرے افراد اور نظامِ اجتماعی کے جو جو حقوق واجب ٹھیرائے

۵۱ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ (الفرقان)

۵۲ کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔

گئے ہوں، ان کو برضا و رغبت ادا کرے (بلکہ رضاءِ الٰہی کے لئے قانونی حقوق سے آگے بڑھ کر جتنی زیادہ سے زیادہ قربانیاں دے سکتا ہو دے)[۵۱]

خدا نے اُس کی طرح دوسرے انسانوں کو ان کی املاک پر جو حقوقِ ملکیت دے رکھے ہیں اُن کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھے۔[۵۲]

املاک کی کمی اور املاک کی زیادتی دونوں کو اپنے لئے آزمائش سمجھے کہ نہ اُس حالت میں تذلل اور چھچھورپن پر اتر آئے، اور نہ اس حالت میں کبر اور استبداد کی روش اختیار کرلے ـــــــ بلکہ اُسے مقامِ صبر اور اِسے مقامِ شکر سمجھے!

اپنی تمام تر جدوجہد کو اموال و املاک کے سمیٹنے اور ان میں اضافہ کرنے کے لئے خاص نہ کردے، بلکہ قوت اور وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ زندگی کے اصل مقصد یعنی عبادتِ حق تعالیٰ پر صرف کردے اموال واملاک پر اتنی توجہ دے جتنی ناگزیر ہے۔[۵۳]

لیکن اب سوال سامنے آتا ہے دوسرے افرادِ انسانی (اور اسٹیٹ) کے مقابلے میں انسان کے قانونی حقِ ملکیت کا!

آپ ذرا غور فرمایئے کہ کیا چور کسی کے مال کی چوری کرتے ہوئے یہ استدلال کرسکتا ہے کہ مال تو سارا اللہ کا ہے، میں اگر اس میں سے لے لوں تو کسی کو روکنے کا کیا حق! ایک جیب تراش کہہ سکتا ہے کہ جیب اور اس کے اندر کے سکے تو اللہ کی ملک ہیں، پھر اگر میں جیب کتر کے لے اڑوں تو خدا کے سوا کسی اور کو روک ٹوک ڈالنے کا کیا اختیار ؟ ـــــ آپ کہیں گے ہرگز نہیں! یہ استدلال تو احمقانہ ہے!

---

۵۱ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا ... الخ نیز آیت "ومما رزقناھم ینفقون"۔ والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل العفو!

۵۲ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بعضکم علی بعض۔

۵۳ انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو ... الخ (الفرقان)، افلح من کان ؛ اسلم و کان رزقہ کفافا (حدیث)!

مگر کیوں ؟

اس لئے کہ خدا نے خود ایک شخص کو محدود حقوق مالکانہ تفویض کر دیئے ہیں اور ان کے متعلق ایک اخلاقی ضابطہ متعین فرمادیا ہے۔ اب ذرا مزید سوچئے کہ دوسرے انسانوں کے مقابلے میں انسان کے حقوق مالکانہ کی نوعیت کیا ہے ؟

دراصل انسان کے اندر "انا" کا جو طبعی احساس پایا جاتا ہے، ملکیت کی ساری اہمیت اسی کے محور پر گردش کرتی ہے۔ ایک بچہ جونہی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا ایک مستقل وجود ہے۔ وہ کچھ آلات واعضا ایسے رکھتا ہے جن پر اسی کا اپنا ارادہ حکمران ہے تو اس احساس سے ملکیت کا شعور جنم لیتا ہے، اور پھر برابر نشوونما پاتا چلا جاتا ہے۔ جو چیز آدمی میں "میں" "تم" اور "وہ" کا امتیاز پیدا کرتی ہے، وہی اس میں "میرا" "تمہارا" اور "اس کا" امتیاز بھی پیدا کر دیتی ہے۔ ایک آدمی جس طرح بے بس ہے کہ "میں" اور "تم" کو الگ الگ پہچانے، اسی طرح وہ بالکل غیر اختیاری طور پر "میرا" اور "تمہارا" کے درمیان بھی خطِ فاصل کھینچتا ہے۔ پھر اس میں "میں" اور "میرا" کی حس "میری محنت" "میری کوشش" "میری کمائی" وغیرہ کے تصورات کو وجود دیتی ہے اور ان سارے تصورات کے مجموعی اثر سے "میری ملکیت" کا ایک جامع شعور نمودار ہوتا ہے، بلکہ اس کی ایک زوردار خواہش بھی ظہور پاتی ہے۔ یہی شعور اور یہی خواہش ہے جو جائداد (PROPERTY) ہی کو نہیں، بلکہ "گھر" "خاندان" "ربطِ زوجیت" اور کنبے کی وحدت کو بھی وجود دیتی ہے۔ اس طرح انسانی "انا" اور جذبۂ ملکیت پورے تمدن کی رگوں میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے۔

اس فطری جذبے کا زور اتنا زیادہ ہے کہ آدمی کو اگر آپ اس کی ساری املاک سے الگ کر دیں تو چاہے تاکہ سہولتیں آپ اسے بہم پہنچا دیں، اطمینان اسے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ اسے گھر سے نکال کر اچھے سے اچھے ہوٹل میں جا بسایئے، یا اپنے پاس بطور مہمان ٹھیرا لیجئے، وہ (AT HOME) ہونے کی کیفیت سے محروم رہے گا۔

دراصل ملکیت کے جذبے کی جڑیں جذبۂ آزادی اور جذبۂ اختیار سے سیراب ہوتی ہیں۔ آدمی اس بات کا طبعاً ضرورت مند ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ممکن حدود میں آزاد ہو اور دوسروں کی مداخلت سے محفوظ ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ کچھ اس کا اپنا ہونا چاہئے جس کو وہ جس طرح چاہے استعمال کرے۔ وہ اپنے ذوق، اپنے رجحان، اپنی عادات، اپنی حیثیات

اپنی داخلی تحریکات کو ظہور دینے کے لئے فطری طور پر ایک ہمہ گیر میلان اپنے اندر لے کے پیدا ہوا ہے۔ یہی میلان بنیاد ہے گھر کی، خاندان کی، نکاح کی، اور ملکیت کی۔ اس میلان کے لئے بیرونی مداخلتوں سے آزاد ایک "سلطنت" چاہیے جہاں آدمی اللہ کی نیابت کے سوا اور کسی کا پابند نہ ہو، اور یہ سلطنت اصولِ ملکیت سے وجود میں آتی ہے۔ دوسروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے اس سلطنت کو جہاں تک محدود کرنا ناگزیر ہو وہاں تک قانون اور اخلاق کے جنگلے لگا دیجئے، لیکن ان جنگلوں کے اندر انسان یہ چاہتا ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ یہاں اگر بیرونی تسلط اپنا پر تو ڈالے گا تو انسانی سکون و اطمینان غارت ہو جائے گا۔

یہ ہے انسانی جذبۂ ملکیت کی ماہیت، اور اسی جذبے کے تقاضوں کے مطابق اللہ کے قانون نے ــــــ اور اسی قانون سے متاثر شدہ انسانی قانون نے بھی ــــــ انسان کے لئے خدا کی تکوینی ملکیت کے تحت سوشل اور سیاسی حیثیت سے حقوقِ ملکیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کی کچھ حد بندیاں کی ہیں۔ یعنی انسان کے حقوقِ ملکیت بمقابلہ دوسرے انسانوں کے مقرر کئے ہیں۔ ان حقوق کا مرکزی مدعا اس کے سوا کچھ نہیں کہ افراد کے لئے جائز املاک کے بارے میں یہ حق تسلیم کیا جائے کہ ان کے قبضہ و استعمال کی جائز صورتوں میں کوئی دوسرا مداخلت نہیں کرے گا ــــــ نہ فرد، نہ اسٹیٹ، نہ کوئی اور۔ حقوقِ ملکیت کی اہمیت اتنی شدید ہے کہ آج کی تمام مہذب ریاستیں اپنے دستور میں ان کی حفاظت کی گارنٹی دیتی ہیں، اور تو اور، خود اشتراکی ریاست بھی مقابلۃً محدود دائرے میں ان حقوق کی حفاظت کی گارنٹی دینے پر مجبور ہو چکی ہے۔

ان حقوقِ ملکیت کو جائز حدود میں اسلام نے ہر دوسرے نظامِ زندگی کے مقابلے میں زیادہ وسعت اور فراخی کے ساتھ قائم کیا ہے اور ان کی حفاظت کی گارنٹی دی ہے[1]۔ اس گارنٹی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا کی تکوینی

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں اس گارنٹی کو قطعیت کے ساتھ بطورِ آخری وصیت کے بیان کیا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے اموال و املاک ایک دوسرے پر اسی طرح حرام کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے اور جس طرح تمہارا یہ دن حرمت والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں اسی گارنٹی کو دہراتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے نائب امرا کو یہ اختیارات نہیں دیئے ہیں کہ وہ تم پر جبر کریں، اور تمہارے اموال غصب کریں، بلکہ میں نے ان کو ائمۂ ہدیٰ بنا کر بھیجا ہے۔

اور اساسی ملکیت کی نفی کی جا رہی ہے، بلکہ یہ انسان کی امانتی ملکیت ہی کے تحفظ کا سامان ہے۔ "امانتی ملکیت" کا تصور اسلام میں اتنا بودا نہیں ہے کہ کوئی فرد، جماعت اور پارٹی، حکمران اور لیڈر، وزارت اور اسمبلی اٹھے اور انسانی ملکیتوں کو یہ کہہ کر کالعدم قرار دیدے کہ ملکیت حقیقی تو اللہ کی ہے، انسانوں کو کیا حق کہ وہ امانتی ملکیت پر اجارہ جمالیں۔ اگر کوئی طاقت ایسا کرتی ہے تو وہ گویا خدا کے مقرر کردہ امانت داروں کو ان کی جگہ سے ہٹاتی بھی ہے اور خود کو اٹھا کر خدا کے مقام پر بھی جا پہنچاتی ہے۔ اس استدلال سے تو خدا کی عطا کردہ امانتی ملکیت پر ہی خط تنسیخ پھر جاتا ہے۔

**انفرادی ملکیت اور اجتماعی ملکیت** اسلام نے دولت کی بعض غیر اکتسابی اقسام کو قطعی طور پر غیر ملکیتی قرار دیا ہے، مثلاً ہوا، پانی، سورج کی روشنی وغیرہ۔ لیکن باقی ملکیتی دولت کی جتنی اقسام بھی رہ جاتی ہیں، وہ سب کی سب اولاً افراد کی انفرادی ملک بنتی ہیں، بعدہٗ اس کا موقع آتا ہے کہ افراد اپنی املاک کے بعض اجزاء کو اجتماعی ضروریات کے لئے اسٹیٹ کی تحویل میں دیں۔

افراد جس طرح خدا کی طرف سے براہ راست خلافت و نیابت کا منصب پاتے ہیں اور پھر اپنے امانتی اختیارات کو اسٹیٹ کے حوالے کرتے ہیں تو حکومت وجود میں آتی ہے، بالکل اسی طرح امانتی ملکیت بھی براہ راست افراد کو حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ اپنی انفرادی املاک کے بعض اجزا کو اجتماعی ضروریات کے لئے ریاست کے حوالے کرتے ہیں ــــــ جس کے نتیجے میں "بیت المال" یا "خزانہ" وجود میں آتا ہے۔

پس اسلامی فلسفۂ ملکیت کے لحاظ سے خدا کے بعد پہلا مقام فرد کا ہے، نہ کہ ریاست کا! ریاست ملکیت کے اعتبار سے قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ فرد صرف اللہ کے سامنے امانتدار کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اسٹیٹ خدا اور افراد دونوں کے سامنے امانتدارانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اندریں احوال یہ کام اسٹیٹ کا نہیں کہ وہ افراد کی ملکیتوں میں جو تصرف چاہے کرے، بلکہ یہ کام افراد کا ہے کہ وہ اپنی ملکیتوں میں تصرف کرنے کا حق جتنا بھی چاہیں اسے دیں۔

لیکن اس معاملے میں اسلام نے فرد اور اسٹیٹ کو معرضِ کشمکش میں نہیں چھوڑ دیا، بلکہ فرد کے حقوقِ مالکانہ اس کے قانون میں صراحۃً متعین ہیں، اور اسلامی اسٹیٹ ازروئے دستور ان حقوق کی حفاظت کرنے پر مامور ہے۔

**اسلام میں حقوقِ مالکانہ** اسلامی قانون کی رو سے کسی شئے پر مالک کو جو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حقِ قبضہ ——— ایک شئے کے مالک کا اولین حق یہ ہے کہ وہ اپنی مملوکہ شئے پر اپنا قبضہ قائم رکھے۔ کوئی دوسرا اگر اس کا قبضہ اس کی رضا کے بغیر ہٹانا چاہے تو وہ اس کی مزاحمت کرے! چنانچہ اسلام نے حفاظتِ مال کی جدوجہد میں مارے جانے والے کو "شہید" کا مرتبۂ بلند عطا کیا ہے اور ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دوسرے بھائیوں کی املاک کے حقِ قبضہ کو بچانے میں ان کی مدد کرے۔

قبضے کا یہ حق جس طرح روپے، پیسے، برتنوں، چارپائیوں، مکانوں اور موٹروں پر دیا گیا ہے، اسی طرح کارخانے، آلات، زمین وغیرہ پر بھی دیا گیا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی شخص کسی شئے کو مستثنیٰ کرنا چاہے تو وہ صریح قانونی سند فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ اور الارض للہ سے جو استدلال کئے جاتے ہیں وہ اس قسم کی کوئی سند فراہم نہیں کرتے۔

حقِ قبضہ صرف اس صورت میں ناقابلِ تسلیم ہوتا ہے جب کہ وہ کسی جائز اخلاقی و قانونی بنیاد پر حاصل نہ کیا گیا ہو۔ مثلاً کوئی مال چوری کر کے دوسرے کے قبضے سے نکالا گیا ہو تو اس پر قابض ہونیوالے کو قانون مالکانہ حقوق نہیں دے گا۔

(۲) حقِ استعمال ——— دوسرا مالکانہ حق ایک مالک شئے کا یہ ہے کہ وہ اس کو اسلام کی جائز کردہ تمام صورتوں میں سے جس میں چاہے استعمال کرے، اور کوئی اس پر مانع نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص پیالے میں پانی پینا چاہے تو پیئے اور سالن ڈالنا چاہے تو ڈالے، اور دوا گھولنا چاہے تو گھول سکے۔

کسی شئے کا صرف وہ استعمال ممنوع ٹھیرایا جا سکتا ہے جسے قانون نے اخلاقی مفسدات کی وجہ سے حرام کر دیا ہو۔ مثلاً تلوار کو ناحق کسی کے قتل یا قطعِ اعضا کے لئے استعمال کرنا! اسی طرح بر سرِ عام جن املاک کے استعمال کے لئے کچھ قواعد ضوابط مقرر کئے گئے ہوں، ان کو توڑ کے غلط استعمال کرنا بھی ممنوع ہو گا۔ مثلاً موٹر گاڑی کو سڑک پر بائیں ہاتھ چلانے کے بجائے دائیں ہاتھ چلانا یا رات کی تاریکی میں بغیر بتی سائیکل چلانا وغیرہ![1]

---

[1] ایسے معاملات میں دراصل بیک وقت دو پہلو پائے جاتے ہیں! ایک طرف تو انفرادی ملک میں آئی ہوئی گاڑی یا سائیکل کا مسئلہ ہوتا ہے اور دوسری طرف اجتماعی ملک سے تعلق رکھنے والی سڑک کے استعمال کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ انفرادی ملک پر ان مواقع پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں وہ کسی اجتماعی ملک کے استعمال کے تقاضوں کے تحت وارد ہوتی ہیں۔ ورنہ بجائے خود انفرادی ملک ان پابندیوں کی مقتضی نہیں ہوتی۔

(۳) **حقِ تصرف** ـــــ یہ ایک مالکانہ حق ہے۔ اس سے منشا یہ ہے کہ مالک اپنی چیز میں جو ردو بدل چاہے کر سکے۔ مثلاً وہ اپنے کمرے کا نقشہ بدل ڈالے، وہ فرنیچر کو جس ترتیب سے چاہے سجائے، وہ اپنے باغ کو چاہے تو چراگاہ میں بدل دے اور چاہے تو کھیلنے کا میدان بنا دے، وہ تہمد کو کٹوا کر پاجامہ یا شلوار بنا ڈالے۔ وہ روئی کے ذخیرے کو سوت میں اور سوت کو کپڑے کی شکل میں بدل ڈالے۔ کسی شخص اور خود اسٹیٹ کو اختیار نہیں ہے کہ وہ ایک مالک سے حقِ تصرف سلب کر لے ـــــ اِلّا یہ کہ خود تصرف ناجائز قسم کا ہو، مثلاً انگور سے شراب بنانا یا پتھر سے بُت تراشنا وغیرہ۔ اضاعتِ مال کا حق بھی شریعتِ اسلامیہ نے افراد کو نہیں دیا ہے۔

(۴) **حقِ انتفاع** ـــــ اس حق کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مالک اپنی ہر ملکیت کو نفع حاصل کرنے کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ یہ بات بجائے خود قانون میں طے ہے کہ نفع اندوزی کے کونسے دروازے کھولنا ممنوع ہے لیکن فی نفسہٖ نفع اندوزی کے لئے کسی بھی ملکیت کو استعمال کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ روپے والا اپنے روپے کو تجارت میں لگا کر، زمین والا کاشت کر کے، ذہین آدمی اپنے دماغ سے کام لے کر اگر سوسائٹی کی کسی خدمت کے بدلے میں "آمدنی" پیدا کرتا ہے تو اسلام اس میں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔

رکاوٹ، صرف نفع اندوزی کے ان راستوں میں ڈالی گئی ہے جو اخلاقاً مفسدہ انگیز ہیں۔ مثلاً اگر کوئی صاحبِ سرمایہ اپنا سرمایہ شراب اور آلاتِ موسیقی کے کاروبار میں لگائے، کوئی فاحشہ اپنے جسم کو کرائے پر چڑھائے، کوئی ساہوکار روپے کو کرائے پر چڑھائے اور سود وصول کرے، کوئی تاجر دھوکے اور فریب پر کاروبار چلائے، تو اس قسم کی متعین صورتوں کو اسلام حرام قرار دیتا ہے۔ لیکن ان متعین حرام صورتوں کے علاوہ وہ کسی مالک کو حقِ انتفاع سے محروم نہیں کرتا۔[۱]

انتفاع سرمائے سے ہو، زمین سے ہو، مشین کے ذریعے سے ہو، دماغی قویٰ کے بل پر ہو، ہاتھ پاؤں سے

---

[۱] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسط درجے کے حالات میں تاجروں کی نفع اندوزی پر کوئی قانونی حدبندی عائد کرنے سے احتراز فرمایا ہے، اور اس معاملے کو اخلاقی تربیت پر چھوڑا ہے۔ کیونکہ منافع پر حدبندی ایک مالکانہ حق کو مجروح کرتی ہے۔ خاص حالات کا معاملہ جداگانہ ہے۔

کام لینے کی صورت میں ہو ــــــ تمام جائز املاک پر یہ حق مالک کو حاصل ہے۔

(۵) حق کرایہ ــــــ حق کرایہ سے مراد کسی چیز کے حقِ استعمال اور حقِ انتفاع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا ہے۔ جیسے مکان، سائیکل، یا کھیل کے میدان کو کرائے پر دینا، جیسے بس کی سیٹوں کو مسافروں کے لئے بک کرنا، جیسے زمین کو کسی لگان کے عوض کاشت کرنے کے لئے دینا، وغیرہ۔ یہ حق حقِ انتفاع میں ضم ہوسکتا ہے، لیکن اسے جداگانہ طور پر متعین کرنا ضروری معلوم ہوا۔

اس معاملے میں بھی چند متعین قیود ہیں، مثلاً زمین کو ماُ ذیانات کے طریق پر کاشت کے لئے دینا، نقد روپے کو اصولِ ربوا کے تحت کرائے پر چڑھانا وغیرہ امور ممنوع ہیں لیکن اس طرح کی چند پابندیوں کے بعد باقی کے میدانِ اباحت میں نہ کوئی فرد دخل دینے کا مجاز ہے: نہ اسٹیٹ۔

(۶) حق پس اندازی ــــــ اسلام کے قانون نے فرد کو اپنی آمدنی میں مستقبل کی ضروریات، مثلاً تعمیرِ مکان، شادی بیاہ، اسبابِ ضروریہ کی فراہمی، ادائے قرض، بیماری کے معالجے، ناگہانی حوادث کے مقابلے کے لئے پس انداز کرنے کا حق بھی دیا ہے۔ بحقول (العفو) کو خود قرآن نے جائز ٹھیرایا ہے۔

"اکتناز" پر جو وعید آئی ہے وہ دو صورتوں سے متعلق ہے۔ ایک یہ کہ اندوختے ناجائز ذرائع سے جمع کئے جائیں اور دوسرے یہ کہ ان میں سے واجب الادا حقوق ادا نہ کئے جائیں۔

(۷) حقِ اضافہ ــــــ یہ حق بھی حقِ انتفاع میں ضم ہوسکتا ہے، لیکن انتفاع کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ ایک شخص نفع کی آمدنی حاصل کرتا رہے۔ رہا اس بات کا حق کہ وہ اپنی آمدنی پوری کی پوری یا اس کا کوئی حصہ اپنی جملہ ملکیت یا خاص نفع آور ملکیت میں المضاعف کرسکتا ہے، بالکل جداگانہ نوعیت رکھتا ہے۔

اشتراکی اسٹیٹ افراد کا یہ حق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اپنی آمدنیوں کو نفع آور ملکیتوں میں شامل کرکے ان میں اضافہ کرنے کے مجاز ہیں، بلکہ وہ لازم ٹھیراتا ہے کہ آمدنیاں صرف اشیائے صرف پر لگائی جائیں۔ اسلام میں اس قسم کی کوئی تحدید ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کا نشان نہیں ملتا۔ پھر اشتراکیت زدہ دماغوں ہی کی پیداوار "تحدیدِ املاک" کا نظریہ ہے۔ یعنی یہ لوگ املاک، خصوصاً نقدی اور زمین ــــــ کے بارے میں لازم سمجھتے ہیں کہ تمام افراد کے لئے ملکیت کی ایک مقداری حد معین کردی جائے۔ دوسرے لفظوں میں افراد کو اپنی املاک کے لئے جو حق اضافہ

حاصل ہے، اسے بڑی حد تک ختم کرایا جائے۔ اسلام کو ان من گھڑت فلسفوں سے کوئی تعلق نہیں۔

(۸) حقِ شراکت ——— ایک مالک کو اسلام کی طرف سے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے املاک میں یا ان کے حقِ استعمال اور حقِ انتفاع میں جس قسم کے جائز معاوضے اور جائز شرائط پر چاہے دوسروں کو شریک بنالے۔ وہ اپنے مکان کی ملکیت میں کسی قیمت کے بدلے میں اپنے بھائی کو شامل کرسکتا ہے، وہ اپنی تجارت و صنعت میں مناسب شرائط پر دوسروں کو حصہ دار بنا سکتا ہے، وہ اپنی زمین کی پیداوار میں اپنے مزارع[۱] کے لئے اس کی محنت کے عوض کسی تناسب سے حقِ شرکت تسلیم کرسکتا ہے، وہ اپنے کاروبار میں کسی کارکن کی محنت کو اس تجویز پر استعمال کرسکتا ہے کہ دونوں کاروبار کے منافع میں فلاں تناسب سے شریک ہوں گے۔

اس میں مالک کو صرف اسلام کے حدودِ اخلاق اور اس کی قانونی بندشوں کا احترام کرنا واجب ہے، لیکن اسے ریاست اس سے باز نہیں رکھ سکتی کہ وہ اپنی املاک یا ان کے حقِ انتفاع میں کسی کو حصہ دار نہ بنائے، بلکہ ان کو خود ہی استعمال کرے یا ان سے تنہا خود ہی استفادہ کرے۔ اس قسم کی بے معنی پابندی کا سراغ اسلام میں نہیں ملتا۔

---

[۱] کہا جاتا ہے کہ زمین کے بارے میں حصہ داری پیداوار کے اصول پر کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ پیداوار نہ ہو اور مزارع بھوکا رہے۔ لیکن کیا تجارت و صنعت میں اصولِ مضاربت کے تحت (جو خود اصولِ مزارعت ہی کی بنا پر مدون کیا گیا ہے) خسارے کی صورت میں "کارکن" کو یہی صورت پیش نہیں آتی جو مزارع کو آ سکتی ہے؟ پھر کس بنا پر وہاں ایک صورت جائز ہے اور یہاں ناجائز؟ علاوہ بریں یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک زمین کی ملکیت اگر محدود ہو تو فصل نہ ہونے سے وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے قرض لینے یا زمین فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ خصوصاً اسلام میں جو عورت کو مردوں کے ساتھ حقِ وراثت دلواتا ہے، اس کا امکان ہے کہ ایک بیوہ عورت اور اس کے یتیم بچوں کے حصے میں جو زمین آتی ہو اسے وہ کسی سے کاشت کرانے پر مجبور ہو۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ اجرت دے کر کاشت کرائے لیکن اگر وہ زمین کے سوا کوئی سرمایہ نہ رکھتی ہو تو پھر کیا کرے؟ کیا آپ فرماتے ہیں کہ وہ زمین بیچ ڈالے؟ یہ کوئی حل تو نہ ہوا کہ وہ ایک مستقل ذریعۂ رزق دے کر وقتی ضروریات پوری کرے۔ دراصل تمدنی حالات کی گوناگونی کے پیشِ نظر اسلام نے ہر معاشی معاملے میں متعدد صورتیں جائز ٹھیرا دی ہیں تاکہ اگر ایک قابلِ عمل نہ ہو تو دوسری سے کام لیا جائے۔ جس طرح ایک صاحبِ سرمایہ اپنے سرمائے کو شراکتِ منافع کے اصول پر کسی کارکن کے حوالے کر سکتا ہے بالکل اسی طرح ہر ایک صاحبِ زمین اپنی زمین کو شرکتِ پیداوار کے اصول پر کسی کاشتکار کے سپرد کر سکتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہیں اور ان دونوں کو معاشیاتی نقطۂ نظر سے ایک ہی نوعیت حاصل ہے۔ اسلامی قانون بھی ان دونوں کو یکساں جائز ٹھیراتا ہے۔

اشتراکی معاشیات میں املاک کے لئے مالکوں کا حق شراکت تسلیم نہیں کیا جاتا۔ وہاں ایک شخص اگر خرید کر کسی اکیاں کی تصنیف اس شرط پر حاصل نہیں کر سکتا کہ دونوں اس کی آمدنی میں کسی تناسب سے شریک ہو جائیں گے۔ پس وہ اگر خریدے اس پر خود معاوضہ لے سکتا ہے۔ اسی طرح وہاں کوئی شخص اپنے مکان کے مالکانہ حقوق میں کسی دوسرے کو کسی قیمت پر شریک نہیں بنا سکتا۔ گویا اشتراکی فلسفہ ملکیت کی رو سے حق شراکت شجرِ ممنوعہ ہے لیکن اسلام اگر اسے شجرِ ممنوعہ قرار نہیں دیتا تو آخر اس کے قانون پر آلات جراحی کو استعمال کرنے سے حاصل؟

(۹) حقِ انتقال ـــــــ اس حق کے معنی یہ ہیں کہ مالک کو اس بات کی آزادی ہو کہ وہ اپنی املاک میں سے جس کو چاہے اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یا اپنے اعلیٰ اخلاقی و روحانی تقاضوں کی تسکین کے لئے دوسروں کی طرف منتقل کر دے۔

انتقال کی صورتیں متعدد ہیں۔ ان میں سے ایک بیع کی صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی کوئی ملک دوسرے کی کسی ملک، یا نقد قیمت یا کسی خدمت کے عوض اسے دیدے، دوسری یہ ہے کہ وہ کسی پر صدقہ کر دے، تیسری یہ ہے کہ بطور عطا وہبہ نقد یا ٹھوس املاک یا اپنی خدمات (محنت) کسی دوسرے کو تفویض کر دے۔

اپنی املاک کو جائز اجتماعی ضروریات کے لئے وقف کرنے کا حق بھی حقِ انتقال کی ایک شاخ ہے۔ وقف کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ایک شے کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے اسٹیٹ یا سوسائٹی واقف کے حسبِ منشا انتفاع کرتی رہے گی۔ واقف دراصل اپنی ملک کے کسی مخصوص استعمال یا انتفاع کے محدود حق کو اسٹیٹ اور سوسائٹی کے نام منتقل کر دیتا ہے۔

(۱۰) توارثِ اقربا ـــــــ حقِ توارث اقربا بھی مالکانہ حقوق کی ایک دوسری شاخ ہے۔ اس حق کا مفہوم یہ ہے کہ ایک آدمی کے مرنے پر اس کی املاک اس کے اعزہ و اقربا میں "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر بٹ جائیں گی۔ اسلام نے اس حق کو قائم کیا ہے اور افراد کو یہ ضمانت بہم پہنچائی ہے کہ اپنی کمائی ہوئی دولت میں سے جو کچھ وہ ترکے میں چھوڑ کر رخصت ہوں گے، وہ انھیں لوگوں کے کام آئیں گی جن کو وہ عزیز رکھتے تھے، جن سے ان کے قریبی تعلقات تھے اور جن کے ساتھ زندگی بھر اُس کا ربط و تعاون رہا ہے ـــــــ کوئی غیر اس کے اقربا کی حق ماری نہ کرے گا۔

اس حق کو بھی اشتراکی فلسفۂ ملکیت نے بہت بڑی حد تک مجروح کر دیا ہے۔ نہایت ہی محدود بجی املاک (بالخصوص استعمالی اشیاء) کے بارے میں یہ حق تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن اسلام نے اس حق کو پوری طرح قائم کرتے ہوئے وراثت کا ایک مستقل قانون بنایا ہے جو نجی املاک ہی پر نہیں، تمام کاروباری املاک پر بھی، اور استعمالی اشیاء ہی پر نہیں بلکہ پیداوری سرمائے اور زمین اور کارخانوں پر نافذ ہوتا ہے۔ از روئے اسلام انسانی املاک میں سے کوئی چیز حقِ وراثت سے مستثنیٰ نہیں کی جا سکتی۔

یہ ہیں وہ حقوق مالکانہ جو اسلام نے انسان کی امانتی ملکیت کے بارے میں دوسرے انسانوں اور اسٹیٹ کے بالمقابل عطا کئے ہیں۔ آپ ان حقوق میں سے کسی ایک کو بھی یہ کہہ کر کالعدم نہیں قرار دے سکتے کہ صاحب! اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر انسانوں کے دعوائے ملکیت کی حیثیت ہی کیا ہے کہ اس کا لحاظ کیا جائے۔ جی نہیں! خود اللہ ہی نے انسانوں کے لئے امانتی ملکیت کے یہ حقوق مقرر کئے ہیں۔ ان کو سلب کرنا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا منصب نہیں۔ آپ اگر ان سے چھیڑ کرنے آئے ہیں تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کون ہوتے ہیں؟ آپ کو خدا کے اختیارات کس نے دیدیئے؟

آپ جواب دیتے ہیں کہ ہم آئے ہیں تو اپنے ساتھ اسٹیٹ کو لے کے آئے ہیں، یہ اسٹیٹ نائب خدا ہے اور اس وجہ سے یہ حق رکھتا ہے کہ افراد کے حقوقِ مالکانہ میں جو تصرف چاہے کرے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوگا کہ اسٹیٹ جو نائب خدا ہے اس کو آپ نے خدا کے خاص اختیارات کہاں سے لا کے دیدیئے؟ اگر وہ نائب خدا ہے تو خدا کی طرف سے سند (AUTHORITY) پیش کرے۔ پھر آپ کونسی سند اس کے غیر محدود اختیارات کے لئے پیش کریں گے؟

مذکورہ بالا حقوقِ مالکانہ کا تحفظ ایک مسلم ریاست اور مسلم سوسائٹی کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ ان حقوق کے تحفظ کی اگر ضمانت نہ دی جائے تو پھر آزادی اور اطمینان کا انسانی زندگی میں خاتمہ ہو جائے گا۔ ان حقوق کو سلب کرتے ہی زندگی قفس بن جائے گی اور اسٹیٹ ایک جیلر کی حیثیت اختیار کرے گا۔

پس ناگزیر ہے کہ اسٹیٹ کو افراد کے حقوق مالکانہ میں دخل اندازی کرنے کے لئے جو محدود اختیارات خود اصل مالک املاک ——— خدا تعالیٰ ——— نے عطا کئے ہیں ان کو متعین طور پر سامنے رکھا جائے۔

## انفرادی ملکیت میں اسٹیٹ کی مداخلت

دنیا میں افراد کا رجحان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ اقتدار کی مداخلت سے اپنی زندگیوں کو زیادہ سے زیادہ حد تک محفوظ رکھ سکیں۔ دوسری طرف اقتدار نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ افراد کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ حقوق و اختیارات حاصل کرلے۔ انفرادیت ضرورت سے زیادہ پاؤں پھیلالیتی ہے تو اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ دوسری طرف اگر اقتدار حدود کو پھاند جاتا ہے تو افراد کے حقوق پامال ہوجاتے ہیں۔ انفرادیت کا سر اگر پھر جائے تو اس کی آخری منزل انارکزم ہے اور اجتماعیت کا دماغ اگر اونچا اڑنے لگے تو اس کی حد پھر مستبدانہ آمریت ہوتی ہے۔

افراد اگر اپنی حد سے آگے بڑھیں تو اسٹیٹ ان کی مزاحمت کے لئے بیشمار ذرائع کو اختیار کرسکتی ہے لیکن اگر اسٹیٹ زیادتی پر اتر آئے تو اگرچہ رائے عام اس کا راستہ روکنے کے لئے انسانی لاشوں کے پہاڑ کھڑے کردکھایا کرتی ہے، لیکن بہرحال اسٹیٹ کا مقابلہ کرنا بہت ہی ہولناک ہوتا ہے۔ تاہم اگر بدقسمتی سے اسٹیٹ ایک مرتبہ انفرادیت کے پورے حقوق کو اپنے قابو میں لے لے (جیساکہ قومی ملکیت کے نظام میں ہوتا ہے) تو پھر ان حقوق کو واپس لینا ناممکن ہوتا ہے اور ایسی ریاست اگر رائے عام کے خلاف کوئی اقدام کرے یا پھر اس کے حکمران بگڑ جائیں تو ان کا راستہ روکنے کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی۔

پھر پیچیدگی یہ بھی ہوتی ہے کہ اسٹیٹ تو محض ایک شعور کا نام ہے جو ایک متعین قطعۂ ارضی میں کسی انسانی سوسائٹی کے ایک اقتدار کے تحت منظم ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسٹیٹ کوئی ذی روح شخص وجود نہیں ہے۔ اسٹیٹ کے کار پرداز بہرحال افراد انسانی ہی ہوتے ہیں، اور ان کا برسراقتدار ہونا اور عام شہریوں کا ان کے تابع ہونا سوسائٹی میں حاکم طاقت اور عوام کے دو مستقل فریق پیدا کرتا ہے۔ ان فریقین کے درمیان حقوق و اختیارات کے لئے تاریخ میں ہمیشہ رسہ کشی جاری رہی ہے اور اس رسہ کشی میں زیادہ تر افراد ہی کو پسنا پڑا ہے۔

انھی حالات کی وجہ سے دورِ حاضر کی حکومتوں کے لئے "دستور" (CONSTITUTION) کی شدید اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ دستور کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت اور عوام کے حقوق و فرائض کا باقاعدہ تعین کردیا جائے اور دونوں فریق بشدت مقررہ حدود کی پابندی کریں۔ یہ دستوریت سب سے پہلے دنیا میں اسلام کے ذریعہ نمودار ہوئی جس نے افراد اور اسٹیٹ کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کرنے کے لئے واضح خطوط کھینچ دیئے ہیں۔

ملکیت خود ایک دستوری مسئلہ ہے، اور یہ دستوری مسئلہ اس وجہ سے ہے کہ افرادِ انسانی اپنی زندگی کے امن و سکون کے تحفظ کے لئے اپنے املاک کے محفوظ رہنے کا اطمینان چاہتے ہیں، اور حکمران طاقت (اسٹیٹ) کا رجحان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ افراد کی ملکیتوں میں دخل اندازی کے نئے نئے راستے نکال سکے۔ اس کشمکش کو روکنے کے لئے ملکیت کے بارے میں ہر معقول نظام افراد کو آئینی ضمانت دیتا ہے، لیکن اسلام سے زیادہ صفائی اور تعین کے کے ساتھ یہ ضمانت کسی دوسرے نظام نے نہیں دی۔ افراد کی ملکیتوں کو اخلاقی اور قانونی ہر لحاظ سے پوری طرح محفوظ کرتے ہوئے، ریاست کو مداخلت کے جو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں اُن کا اسلامی قانون میں قطعی طور پر تعین کر دیا گیا ہے۔ ان اختیارات سے اسلامی مملکت ایک انچ بھی آگے نہیں جا سکتی۔

اسٹیٹ کو انفرادی املاک میں مداخلت کرنے کے جو حقوق اسلام کی طرف سے دیئے گئے ہیں، ان کو یہاں ہم نمبر وار بیان کرتے ہیں۔

**(۱) شرعی واجبات کی وصولی** شرعی واجبات کی وصولی سے مراد ان محاصل کا افراد سے اخذ کرنا ہے جن کی ادائی افراد پر واجب ٹھیرائی گئی ہے۔ اُن میں سے بھی اسٹیٹ کی مداخلت کا تعلق ایسے محاصل سے ہے جن کے وصول و صرف کا نظم اجتماعی ہونا چاہیے، مثلاً زکوٰۃ و عشر وغیرہ۔

ان مالی واجبات کا نظم وصول و صرف اسلامی اسٹیٹ کے ذمے ہے، اور اس نظم کو مضبوط رکھنے کے لئے وہ پولیس کی قوت ہی کو نہیں، بلکہ اشد ضرورت کے موقعوں پر فوجی طاقت کو بھی استعمال کر سکتی ہے جیسے کہ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا تھا۔

علیٰ ہٰذا القیاس شرعی واجبات میں وہ خراج بھی شمار ہوتا ہے جو خراجی زمینوں پر لگایا گیا ہو، وہ خمس بھی اسی ذیل میں آتا ہے جو معدنیات اور دفینوں میں سے ریاست کے لئے خاص کیا گیا ہے۔

جنگ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت بھی تقسیم ہونے سے قبل اگر انفرادی قبضے میں آجائے تو بھی وہ انفرادی ملک میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ اسے جلد از جلد اربابِ امر کی تحویل میں چلے جانا چاہیے۔ اگر اسے روکا جائیگا تو اسٹیٹ بالجبر اسے وصول کرنے کی مجاز ہوگی۔

**(۲) اسلامی عدلیہ کے عائد کردہ واجبات** اسلامی ریاست کا نظامِ عدالت قانونِ الٰہی کے تحت مختلف

معاملات میں افراد پر جو مالی ذمے داریاں عائد کرتا ہے ان کو پورا کرنا بھی افراد پر شرعاً اور قانوناً واجب ہے۔ اس قسم کے واجبات کی وصولی کے لئے عدلیہ ڈگری بھی دے سکتا ہے اور قرقی بھی کرا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان معاملات میں انفرادی املاک میں ریاست جائز حدود تک تصرف کر سکتی ہے۔

اس قسم کے واجبات میں ثابت شدہ قرضے، تاوان، دیت کی رقوم، ہرجانے، نان و نفقہ، واجب الادا معاوضے اور محنتانے وغیرہ شامل ہیں۔

**(۳) مالیاتِ اجتماعی کے تقاضے** ایک اسلامی ریاست کو اپنے زندہ رہنے، اپنی حفاظت کرنے اور اپنے عوام کے مختلف مسائل سے نمٹنے کے لئے جو بجٹ بنانا پڑتا ہے، اس کے مالی تقاضوں کو پورا کرنے کے ذمہ دار شہری ہیں۔ یہ تقاضے ضروری نہیں کہ ہر قسم کے حالات میں زکوٰۃ و عشر اور غنیمت و فئے کی رقوم سے پورے ہو جائیں، بلکہ ان کے پورا کرنے کے لئے پبلک سے مختلف قسم کے چندے، ٹیکس اور قرضے حاصل کرنے پر ایک حکومت مجبور ہو سکتی ہے۔ قرضوں اور چندوں کا دارومدار تو پبلک کی آزاد مرضی پر ہے، لیکن ٹیکس بہر حال ضابطے کے تحت وصول کئے جاتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ اسلامی ریاست کی مخصوص ٹیکسیشن پالیسی کے خطوط کیا ہیں، تاہم جو کچھ ٹیکس بھی وہ اپنی مالی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لئے شہریوں پر عائد کرے گی، اُن کو ضابطے کی قوت سے وصول کرے گی۔ "ضابطے" کے معنی ہی یہ ہیں کہ انفرادی املاک میں محدود مداخلت ہو۔

لیکن مالیاتِ اجتماعی کے تقاضوں کے تحت پبلک پر جو ذمے داریاں بھی عائد ہوں گی وہ ان کے اپنے منتخب دیانتدار اور قابلِ اعتماد نمائندوں کی مجلسِ شوریٰ (PARLIAMENT) کے "اجماع" سے ہوں گی۔ پالیمنٹ کا اجماع گویا عوام کی طرف سے امیر یا صدرِ حکومت کے سامنے ایک ٹیکس کے ادا کرنے کے لئے اظہارِ رضامندی کرے گا، تب امیر اس کی وصولی کے احکام و ضوابط کا اجراء عمل میں لائے گا اور اس کے لئے ایک مشنری تشکیل دے گا۔

**(۴) ہنگامی ضروریات** جیسے ایک فرد کی زندگی اتفاقی حادثات کی زد میں آجائے تو اسے بچانے کے لئے فوری طور پر نکلنے، اخلاق اور قانون کے بہت سے حدود توڑنے کا موقع پیدا ہو جایا کرتا ہے، اسی طرح اگر ایک اسٹیٹ، قوم اور سوسائٹی مجموعی طور پر ہلاکت کی زد میں آ جائے تو پھر

ہنگامی حالات (EMERGENCY) کے جو خاص تقاضے ہو سکتے ہیں ان کا لحاظ کئے بغیر چارہ نہیں۔

ایک مکان کو آگ لگی ہو اور اسے بجھانے کے لئے فوری طور پر پانی [illegible] تو جہاں سے مل سکے حاصل کر لیا جاتا ہے اور پانی کے مالک سے دریافت تک کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ [illegible] تو روک لیتا ہے، مکان کی دیواریں گرانی پڑیں تو گرا دی جاتی ہیں، اسی طرح ریاست کی جان بچانے کے لئے یا حیاتِ عامہ کی بقا کے لئے کسی فوری حاجت کی روک تھام میں افراد کی املاک کا استعمال ناگزیر ہو جائے تو وہ کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً قحط وارد ہونے پر غلے پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے، زیادہ شدید حالات میں اس کے تمام ذخائر کو حکومت بالجبر خرید سکتی ہے اور پبلک کے لئے راشن کو محدود کر سکتی ہے یا مثلاً جنگ کی صورت میں جب اسے فوری طور پر سڑکیں، ہوائی اڈے اور چھاؤنیاں بنانی پڑ جائیں تو اگر مالکانِ زمین مانع ہوں تو بھی وہ بنائے گی۔ اگر اس کے ناگزیر قسم کے جنگی پروگراموں میں افراد کی تعمیرات حائل ہوں تو وہ ان کو آخری چارۂ کار کے طور پر بالجبر منہدم کر سکے گی۔

اس قسم کے معاملات میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ اولاً پوری کوشش انفرادی مالکوں کی رضامندی کے ساتھ معاملہ طے کرنے کی ہونی چاہئے، ورنہ اگر جبر کرنا بھی پڑے تو بھی از روئے انصاف ان کو پوری پوری قیمت ان کے املاک کی ادا کرنا ضروری ہے۔

ہنگامی حالات کے ختم ہو جانے کے بعد جونہی فضا اپنی سابق حالت کی طرف لوٹ جائے تو جو لوگ اپنی املاک کو واپس لینا چاہیں ان کو واپس کیا جانا چاہئے۔

ہنگامی حالات کے خاص احکام کو عام حالات کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

ہنگامی حالات میں افراد کی املاک میں جو مداخلتیں بمجبوری کرنی پڑیں ان کے لئے باقاعدہ اربابِ امر و شوریٰ کو اجماع سے متعین فیصلے کرنے چاہئیں، لیکن بعض صورتوں میں فوری کارروائیاں خود وزارتِ دفاع کو، بلکہ معمولی فوجی افسروں کو کرنی پڑتی ہیں۔

## (۵) حقوقِ مالکانہ پر اسلام کے اخلاقی قیود کا نفاذ

اسلامی ریاست کی طرف سے انفرادی ملکیت کے حقوق میں مداخلت کرنے کا سب سے بڑا وسیع میدان اسی

عنوان کے تحت آتا ہے۔

اسلام نے حصولِ ملکیت کے لئے بعض ذرائع کو جائز اور بعض کو ناجائز بتایا ہے، پھر املاک کے استعمال کے بعض پہلوؤں کو حرام اور مکروہ اور بعض کو حلال اور مباح رکھا ہے، اسی طرح املاک کے تبادلے میں بعض صورتوں کو معروف میں شمار کیا ہے اور بعض کو منکر میں۔ گویا افراد کے جملہ مالکانہ حقوق کے گرد قانون و اخلاق کی مختلف حدود کے جنگلے لگے ہیں۔ ان جنگلوں کو جب کوئی فرد توڑنے لگتا ہے تو ریاست بالجبر اسے روک دیتی ہے۔

مثلاً ایک شخص چرا کر مال لے آیا یا سود کی کمائی تجوری میں لا ڈالی ہے یا پبلک کے اجتماعی املاک میں سے کوئی حصہ اس نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے تو ریاست اس قسم کے اموال کو اس کے قبضے سے جبراً نکال لے گی۔

اسی طرح ایک شخص مکان کی چھت کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ دوسروں کی پردہ داری میں خلل آتا ہے، وہ اپنے روپے کے عوض میں اپنے لئے ریشم کا لباس یا سونے کا زیور خرید کر استعمال کرتا ہے، یا وہ اپنی گاڑی کو بے ڈھنگے طریق سے ہانکتا ہے، یا وہ اپنی زمین پر کاشت کو رکی محنت ناجائز شرائط کے تحت خریدتا ہے، یا وہ بت گری کے آرٹ کا ایک اسٹوڈیو کھول کے بیٹھتا ہے یا وہ اسلحہ کو عوام کے ڈرانے دھمکانے یا اُن پر زیادتیاں کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے، تو اس طرح کی جملہ صورتوں میں اسٹیٹ حقوق مالکانہ کے غلط استعمال سے اُسے جبراً روک دے گی۔

بعینہ اس طرح تبادلے کے معاملات میں قانون مداخلت کرے گا۔

اخلاقی قیود کا تعلق ملکیت کے تین پہلوؤں سے ہے۔

(ا) کیا وہ جائز طریق سے حاصل کی گئی ہے؟

(ب) کیا وہ جائز طریق سے استعمال کی جا رہی ہے؟

(ج) کیا اسے جائز طریق سے کسی دوسرے کے سپرد کیا جا رہا ہے؟

ان تینوں میں سے جس پہلو میں بھی کوئی چیز خلاف قانون ہوگی، حکومت بالقوۃ اس کی روک تھام کرے گی۔ لیکن اس قسم کی مداخلتوں کے لئے عدلیہ کے تحت باقاعدہ تحقیق اور قانونی فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ بغیر اس کے اگر افراد کی املاک میں اسٹیٹ تصرف کرے تو وہ کھلا کھلا ظلم ہوگا۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کسی چیز کو اسلامی قانون

ناجائز قرار دیتا ہے؟ اگر نا جائز قرار دیتا ہے تو اس کی روک تھام کے لئے وہ کس قانونی تدبیر کا اختیار کرنا تجویز کرتا ہے؟

ان امور کا عدلیہ کے ذریعے تصفیہ کرائے بغیر اگر کسی ملک کے عوام اپنے جلسوں میں، یا اس کے سیاسی ورکر اپنی تقریروں میں یا اس کے اخبار نویس اپنے افتتاحیوں میں ایک طوفان اٹھا دیں کہ فلاں شخص یا گروہ یا طبقے کے املاک سلب کر لئے جائیں تو اس طوفان کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ طریقہ مفسدین کا ہے، نہ کہ اسلام پسند لوگوں کا!

سلبِ ملکیت ویسی ہی چیز ہے جیسے قتل، قتلِ جسمانی کی طرح قتلِ معاشی بھی ایک انتہائی چیز ہے۔ پس جیسے قتلِ جسمانی "بغیر حق" جائز نہیں، اسی طرح قتلِ معاشی بھی بغیرِ حق جائز نہیں۔ وہ بھی قانونِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے، اور یہ بھی قانونِ الٰہی کے تحت ہونا چاہئے جس طرح کسی شخص کا ہر گناہ اسے واجب القتل نہیں بناتا، اسی طرح کسی شخص کی ہر معاشی گمراہی اسے معاشی قتل کا مستوجب نہیں قرار دے دیتی۔ قتلِ جسمانی کے فیصلے کرنا پریس، رائے عام اور سیاسی پارٹیوں کا کام نہیں ہے تو قتلِ معاشی کے فیصلے کرنے کا اختیار بھی ان عناصر کو نہیں دیا گیا۔ کسی صاحبِ املاک کے خلاف جو دعویٰ بھی پریس، عوام یا سیاسی پارٹیوں کو ہو، اسے وہ اسلامی قضاء کے نظام کے روبرو رکھ دیں، اور پھر جو فیصلہ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے تحت صادر ہو اس کو عمل میں لایا جائے۔

## فرد کا حقِ حفاظتِ ملکیت

فرض کیجیے کہ ریاست کا کوئی کارکن یا عہدے دار ان حدود سے تجاوز کر کے افراد کے املاک پر دستِ تعدّی دراز کرتا ہے یا اسٹیٹ کا ایڈمنسٹریشن افراد کے حقوقِ مالکانہ کو مجروح کرتا ہے تو ایک فرد زیادتیوں کے مقابلے میں اپنے املاک کی حفاظت کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کا اسی طرح حقدار ہے جس طرح وہ ایمان، جان اور آبرو کی حفاظت کا حق رکھتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ تین قسم کے ذرائع اختیار کر سکتا ہے:

(۱) اپنی پوری امکانی قوت کو زیادتی کے خلاف استعمال کرے، حتیٰ کہ اگر کشمکش میں جان دینی پڑے تو دے دے۔ وہ اگر برسرِ حق ہے تو عند اللہ اس کی موت شہادت کی موت ہو گی اور اس کی نصرت ہر مسلم پر فرض ہے[1]۔

---

[1] ہارون الرشید کے محل کی توسیع کے لئے ایک بڑھیا کی زمین حاصل کرنا ضروری تھا لیکن وہ بڑھیا مانع ہوئی اور حکمران کو اس دورِ انحطاط میں بھی، اس کا حق تسلیم کرنا پڑا۔

(۲) وہ زیادتی کے خلاف حکام کے سامنے اور پبلک میں تمام جائز ذرائع سے صدائے احتجاج بلند کرے اور رائے عام کا دباؤ ڈالے۔

(۳) وہ عدالت کے ذریعے ناجائز احکام و مطالبات کے خلاف حکمِ امتناعی حاصل کرے یا اپنے اموالِ مغصوبہ کی واگذاشت کے لئے ڈگری حاصل کرے[۵۱]۔

---

یہ مضمون یوں تو یہاں پہنچ کر مکمل ہوجاتا ہے، لیکن چونکہ ملکیت کے مسئلے میں بعض اہم غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لئے مزید بحث کی ضرورت ہے، اس لئے اشاعتِ آئندہ میں ذیل کے موضوعات پر گفتگو کی جارہی ہے:-

(۱) محض محنت ذریعۂ ملکیت نہیں[۵۲]۔

(اسلام میں حصولِ ملکیت کے جائز راستوں کی تفصیل)

(۲) اسلام میں مساواتِ ملکیت کوئی اصول نہیں[۵۳]۔

(۳) اسلام میں املاک کے لئے کوئی مقداری تحدید نہیں۔

(۴) کیا اسلام کاروباری سرمایے کی ملکیت پر کوئی پابندی لگاتا ہے؟

(۵) کیا قومی ملکیت کا اصول نظامِ اسلامی میں اختیار کیا جاسکتا ہے؟

(۶) خلافتِ راشدہ میں کارکنانِ حکومت کے املاک میں مداخلت کی توجیہ۔

(۷) سرمایہ داری اور اسلام کے نظامِ ملکیت میں فرق۔

---

[۵۱] جیسے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے اموالِ مغصوبہ کی واپسی کے لئے استغاثے پیش ہوئے اور تحقیق کے بعد ان پر فیصلے دیئے گئے۔

[۵۲]، [۵۳] ان مسائل میں، قرآن کی بعض آیات میں جو تحریف و تاویل کی جاتی ہے، اس کی حقیقت پوری طرح واضح کردی گئی ہے۔